ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.2 (2026)
(April to June)

مسلم تشخص: افکار اقبال و اکبر الہ آبادی کے تناظر میں

Muslim Identity: In the Thought of Iqbal and Akbar Allahabadi

مزمل امین

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اقبال اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور، پنجاب، پاکستان

ڈاکٹر محمد اصغر سیال

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اقبال اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور، پنجاب، پاکستان

Muzammil Ameen

Ph.D Scholar , Department of Iqbal Studies, Faculty of Arts, The Islamia University of Bahawalpur, Punjab, Pakistan.
muzammilameen789@gmail.com

Dr. Muhammad Asghar Sial

Assistant Professor, Department of Iqbal Studies, Faculty of Arts, The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur, Punjab, Pakistan.
muhammadasghar@iub.edu.pk

Article Details
Received:
May 20, 2026
Accepted:
May 25, 2026
Online Published:
June 30, 2026

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: This research article investigates the concept of Muslim identity as reflected in the intellectual and poetic thought of Allama Muhammad Iqbal and Akbar Allahabadi, two major literary voices of the Indian subcontinent in the late nineteenth and early twentieth centuries. The study begins with a theoretical clarification of the term identity, examining its philosophical, cultural, and social dimensions. It then defines Muslim identity as a multidimensional construct shaped by religious belief, moral values, historical awareness, and collective consciousness. In Iqbal's poetry, Muslim identity is presented as a dynamic and regenerative force grounded in Iman (faith), Khudi (selfhood), intellectual freedom, and purposeful action. Iqbal emphasizes self-realization, spiritual autonomy, and active engagement with the challenges of modernity as essential components of a vibrant Muslim identity. His vision calls for the revival of Islamic thought and the reconstruction of Muslim society through moral strength and creative vitality. Akbar Allahabadi, on the other hand, articulates Muslim identity through satire and social criticism.

Key words: Muslim Identity, Allama Iqbal, Akbar Allahabadi, Islamic Thought, Khudi, Colonial Modernity, Cultural Identity, Satire and Social Critique

تشخص ایک سماجی و نفسیاتی اصطلاح ہے جو کسی فرد یا ملت کا مقام و مرتبہ، انفرادیت اور شناخت کی وضاحت کرتا ہے۔ لغوی اعتبار سے تشخص عربی زبان کے لفظ "شخص" سے نکلا ہے جس کے معنی شخصیت، فرد یا ذات کے ہیں۔ اردو میں تشخص کا مطلب وہ صفات یا خصوصیات ہیں جو کسی فرد، قوم یا گروہ کو دوسرے فرد قوم یا گروہ سے ممتاز کرتی ہیں۔ اصطلاحی طور پر تشخص سے مراد ایسا

فطرتی اور شعوری احساس ہے جو انسان کو اپنی پہچان، اقدار، ثقافت، عقائد اور روایات کے ساتھ جوڑتا ہے۔ یہ احساس نہ صرف اس کی اپنی ذات کے خدوخال کا تعین کرتا ہے بلکہ اس کے عمل، ردعمل اور معاشرتی رویوں پر بھی گہرا اثر ڈالتا ہے۔ اگر تشخص کی سادہ الفاظ میں تعریف کی جائے تو اس سے مراد ایسی چیز ہے جو کسی ذات کی پہچان کروائے یا کسی ذات کی پہچان و شناخت کا سبب و ذریعہ بنے جیسے زبان انسان کی پہچان کرواتی ہے کہ یہ کس سرزمین سے تعلق رکھتا ہے لہذا زبان انسان کا تشخص ہے۔ تشخص کی تشکیل میں زبان، مذہب، ثقافت، جغرافیہ، تاریخ اور قومی شعور کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ ایک سرائیکی، ایک پنجابی، ایک مسلمان، ایک پٹھان یا ایک پاکستانی کا تشخص ان تمام عناصر سے مل کر بنتا ہے۔ جب کوئی قوم اپنی اقدار اور پہچان کو کھو دیتی ہے تو اس کا تشخص مٹ جاتا ہے جیسا کہ برصغیر میں آزادی سے قبل مسلمانوں کا تشخص مٹ چکا تھا۔

تشخص کی تمام تر اقسام کسی بھی فرد یا ملت کی شناخت کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور اسے معاشرتی دائرے میں قائم رکھتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک قسم کا مخصوص دائرہ کار ہے جو نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ تشخص انسان کی مکمل شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ تشخص کی اقسام میں قومی تشخص، ذاتی تشخص، ثقافتی تشخص، پیشہ ورانہ تشخص اور مذہبی تشخص وغیرہ شامل ہیں۔ تشخص ایک جامد کیفیت نہیں بلکہ مسلسل جاری رہنے والا ارتقائی عمل ہے۔ جو زندگی کے تمام مختلف مراحل میں پروان چڑھتا رہتا ہے۔ تشخص کی تشکیل میں کئی عوامل اہم کردار ادا کرتے ہیں جن میں چند ایک گھریلو ماحول، والدین کی تربیت، خاندانی روایات، بزرگوں کا طرز عمل، تعلیمی ادارے، اخلاقی اقدار، نظریات، رویے، اساتذہ کی راہنمائی، اسلامی تعلیمات، خودداری، عبادات، اخوت، مساوات، اخلاقیات، رہن سہن، تمدن، رسم و رواج، زبان، ماحول اور اپنے خاندان کے کارناموں سے آگاہی وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام عوامل کی بنا پر تشخص صرف ایک فطرتی عطیہ نہیں بلکہ سیکھا اور پروان چڑھایا جانے والا شعوری احساس ہے۔ جس میں خارجی اثرات کا نمایاں عمل دخل بھی نظر آتا ہے۔ کسی بھی فرد کی تشخص کی تشکیل میں یہ تمام عوامل اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اقبال اس ضمن میں فرماتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا، تیری رضا کیا ہے؟ (۱)

علامہ اقبال کے کلام میں خودی جو کہ تشخص کی سب سے اونچی سطح ہے کی وضاحت کی گئی ہے جب فرد اپنی خودی کو پہچان لے تو نہ وہ مغلوب ہوتا ہے اور نہ ہی بے شناخت۔ قوم کی بقاء دراصل تشخص کی بقاء میں ہے۔ اس کے لیے اجتماعی بیداری، عملی جدوجہد اور شعور ضروری ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو اس کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے پھر بچپن، لڑکپن اور بڑھاپے تک زندگی کے مختلف تجربات کے ذریعے پروان چڑھتا رہتا ہے۔ کسی فرد کا تشخص اس کی خاندانی پس منظر، معاشرتی اثرات، مذہبی تربیت اور تعلیمی ماحول سے تشکیل پاتا ہے۔

مسلم تشخص ایک جامع تصور ہے جو ایک فرد یا امت مسلمہ کی دینی، اخلاقی، فکری اور تہذیبی شناخت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے مراد ایسا طرز زندگی ہے جو اللہ تعالی کے احکامات اور سنت نبوی ﷺ کی تعلیمات پر مبنی ہو۔ جس میں مسلمان کا اخلاق، عمل، شخصیت، سوچ، تعلقات اور طرز حیات مکمل طور پر اسلام کے اصولوں سے ہم آہنگ ہوں۔ اس کی بنیاد اللہ تعالی کی وحدانیت، رسول پاک کی رسالت اور آخرت کے دن کے عقائد پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک فرد کی معاشرتی، سیاسی، ثقافتی اور سیاسی زندگی دین اسلام کے راہنمائی میں اور اس کے اصولوں کے مطابق ہو۔ مسلم تشخص صرف ایک فرد کی شناخت نہیں کرتا بلکہ پوری امت مسلمہ کی

پہچان کا ذریعہ ہے اور یہی تشخص مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند بناتا ہے۔ امت مسلمہ اگر اپنا تشخص چھوڑ دے گی تو وہ اپنے مقام و مرتبہ اور وقار سے بھی محروم ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں جب بھی مسلمان دین اسلام سے وابستہ ہوئے انہیں عزت ملی اور سرفراز و سربلند ہوئے اور جب انہوں نے دین اسلام سے دوری اختیار کی تو وہ زوال پذیر ہوئے۔ مسلم تشخص وہ قوت ہے جو ایک عام انسان کو بھی غیر معمولی بنا سکتی ہے بشرط یہ کہ وہ اسے شعوری اور عقلی طور پر قبول کرے اور اس پر دین اسلام کے اصولوں کے عین مطابق عمل کرے۔

آج کا دور فکری، تہذیبی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی یلغار کا دور ہے۔ امت مسلمہ کا تشخص شدید دباؤ کا شکار ہے۔ خاص طور پر مغربی تہذیب کے اثرات، سوشل میڈیا اور سیکولر نظام تعلیم نے مسلم تشخص کو متزلزل کر دیا ہے۔ آج کے اس نظام تعلیم نے اسلامی عقائد، تہذیبی ورثے اور تاریخ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں امت مسلمہ اپنی دینی شناخت کھو چکی ہے اور اس کے اندر ذہنی و فکری پختگی ختم ہو چکی ہے۔ سوشل میڈیا ایک ایسا طاقتور ہتھیار ہے جس سے مسلم تشخص پر مسلسل حملے کیے جا رہے ہیں۔ فلم، اشتہارات اور ڈرامے ایسے روپ میں فروغ دیے جا رہے ہیں۔ جو مسلمانوں کو ان کی دینی اقدار سے دور کر رہے ہیں۔ پردہ، اخلاقیات، لباس اور اسلامی طرز عمل کو دقیانوسی بنا کر ان پلیٹ فارمز پر پیش کیا جا رہا ہے۔ ان تمام چیلنجز سے امت مسلمہ فکری غلامی کی طرف جا رہی ہے جس سے نکلنے کے لیے اور مسلم تشخص کی بازیابی کے لیے شعوری کوشش کرنا ہو گی۔ مسلم تشخص کے بازیابی اور حفاظت کے لیے سکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر اسلامی تعلیمات کو لازمی قرار دیا جائے۔

ہر تعلیمی ادارے میں فقہ، تاریخ، سیرت النبی اور اسلامی اخلاق کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ سوشل میڈیا پر ایسے پلیٹ فارمز کا استعمال کیا جائے جو تہذیب، تاریخ، کردار، روایات اور اسلامی اقدار کو فروغ دینے کی نمائندگی کریں۔ اسلامی ثقافت سے امت مسلمہ کو جوڑنے کے لیے معیاری اسلامی ڈرامے اور تعلیمی پروگرامز کیے جائیں۔ علماء، خطباء اور دینی اسکالرز سے جدید تقاضوں کے مطابق نوجوانوں کو اسلامی تشخص کا شعور اجاگر کرنے کے لیے پروگرامز کروائے جائیں۔ امت مسلمہ کو ترغیب دی جائے کہ وہ اپنا لباس، رہن، سہن اور طرز عمل قرآن و سنت کے اصولوں کے عین مطابق اپنائیں۔ اسلامی عدالت، اسلامی تجارت اور اسلامی بینکاری نظام کو رائج کیا جائے تاکہ ہر شعبہ زندگی میں اسلامک تشخص واضح نظر آئے۔ نوجوانوں کو قرآن مجید سے جوڑنے کے لیے تفسیر و ترجمہ کی تعلیم دی جائے۔ ملکی سطح پر نوجوانوں کو سیرت النبی کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ اس کے سنہری اصول اپنا سکیں۔ یہ تمام اقدامات ایک فرد کے مسلم تشخص کو بحال کرنے کے لیے بلکہ پوری امت مسلمہ کی ترقی اور اتحاد کے لیے کیے جائیں۔

علامہ اقبال اور اکبر الہ آبادی نے بھی اپنی شاعری میں مسلم تشخص کو بیدار کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ دونوں کے نزدیک امت مسلمہ کے زوال کا اصل سبب مغربی اقدار کو اپنانا اور مسلم تشخص سے دوری اختیار کرنا ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک مسلمان وہی ہے جو اللہ کی واحدانیت پر یقین رکھے اور اس کی بندگی میں کامل، فکر میں خود دار اور کردار میں بلند ہو۔ کلام اقبال و کلام اکبر مسلمانوں کو ان کی اصل پہچان کی یاددہانی کرواتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں اللہ کے دین کے نمائندے بن کر آئے ہیں نہ کہ محض رہنے کے لیے۔

مسلم تشخص کو زندہ و جاوید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ امت مسلمہ اپنے رب، تاریخ اور تہذیب سے جڑ جائیں۔ جب تک یہ تعلق زندہ رہے گا تب تک امت مسلمہ دنیا میں قیادت کا کردار ادا کرتی رہے گی۔ آج کے مسلمان کو چاہیے کہ وہ مسلم تشخص کو بطور نعرہ نہ سمجھے بلکہ زندگی کا عملی اصول بنائے کیونکہ یہی فلاح کا راستہ ہے اور نجات کا ذریعہ۔ اس ضمن میں اقبال لکھتے ہیں:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے

جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے (۲)

علامہ اقبال برصغیر کے وہ عظیم مفکر، شاعر اور فلسفی ہیں جنہوں نے اپنی شاعری کو قومی بیداری، مسلم تشخص کی تشکیل اور فکری تحریک کا ذریعہ بنایا۔ اقبال کی شاعری میں سب سے نمایاں موضوع "مسلم تشخص" ہے۔ وہ مسلمان کو ایک تہذیبی، تاریخی، روحانی اور اخلاقی وجود مانتے ہیں جس کی شناخت محض ان جغرافیائی سرحدوں سے نہیں بلکہ اللہ تعالی کے دین اسلام، قرآن مجید فرقان حمید، سیرت النبی اور تاریخ مسلم سے جڑی ہوئی ہے۔ اقبال کے نزدیک مسلم تشخص ایک فکری اور عملی ڈھانچے کا نام ہے جس میں اللہ تعالی کی وحدانیت، حضور کی رسالت، روحانی بیداری، عشق رسول، اخلاق، اجتماعیت اور خودی جیسے اصول شامل ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمان اپنی انفرادی شناخت میں اجتماعی سطح پر اس وقت تک بقاء نہیں پاسکتے جب تک وہ اپنے مذہبی، تہذیبی اور تاریخی شعور کو زندہ نہ رکھے۔

اقبال کی شاعری ہمیں یہ فکر کرنے کی دعوت دیتی ہے کہ مسلمان اپنی شناخت کو پہچانے اور اس کی حفاظت کرے یہی مسلم تشخص ہے۔ ان کے نزدیک مسلم تشخص کی بنیاد کلمہ طیبہ، آخری نبی پر یقین، آخرت پر یقین اور قرآن مجید کی تعلیمات پر ہے۔ ان کی نظموں میں بار بار یہ بات نظر آتی ہے کہ مسلمان ایک ایسے فرد کا نام ہے جو خاص نصب العین کا حامل، دنیا میں اللہ کے پیغام کو عام کرنے والا، انصاف قائم کرنے والا اور روحانی اقدار کا محافظ ہو۔ اس مسلم تشخص کی تشکیل کے لیے اقبال نے امت مسلمہ کو خودی اور عشق جیسے تصورات یکجا کر کے پیش کیے۔ شاہد اقبال کامران اقبال کے تصور بارے لکھتے ہیں:

> "علامہ محمد اقبال کے مطابق کسی بھی قوم کا تشخص اس کی زبان، تہذیب، مذہب اور رسوم و رواج میں ہوتا ہے۔ جو قوم ان کا انحراف کرتی ہے ان کا کوئی قومی یا ملی تشخص نہیں ہوتا۔ اقبال کے ہاں مسلم تشخص رنگ، زبان، نسل، ملت اور وطن پر منحصر نہیں ہے بلکہ وہ اس کی اساس دین اسلام کو تصور کرتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک مسلم تشخص ملت کی بنیاد پر نہیں مذہب کی بنیاد پر ہے۔"(۳)

کلام اقبال میں قرآن مجید کو مسلم تشخص کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اقبال نے قرآن مجید کو فکر و عمل کا راہنما قرار دیا۔ مسلمان جب تک قرآن سے جڑے رہے دنیا میں سرخرو رہے اور جب قرآن کو ترک کر دیا تو ان کی شناخت اور عزت دونوں ہی معدوم ہو گئیں۔ اللہ کی وحدانیت یعنی توحید مسلم تشخص کی روح ہے۔ توحید صرف عقیدہ نہیں بلکہ زندگی کا عملی اصول ہے۔ اقبال توحید کو ایسی طاقت سمجھتے ہیں جو مسلمانوں کو سیاسی، سماجی اور فکری ہر قسم کی غلامی سے نجات دیتی ہے اس بارے اقبال لکھتے ہیں:

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے (۴)

علامہ اقبال کے کلام میں تصور خودی مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور یہی مسلم تشخص کی بنیاد ہے۔ ان کے نزدیک خودی صرف خود پسندی کا نام نہیں بلکہ روح ایمانی، خود اعتمادی عمل پروری اور خود شناسی کا نام ہے۔ خودی ایسی قوت ہے جو اللہ تعالی کی ذات سے جوڑنے کے ساتھ ساتھ انسان کو اعلیٰ مقصد کی طرف لے کر جاتی ہے اور اسے غلامی، زوال اور پستی سے نکال کر ترقی، وقار اور عزت کی راہ پر گامزن کرتی ہے۔ اقبال نے خودی کو مسلم تشخص کے لیے بے حد ضروری قرار دیا۔ ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم اقبال کے اس تصور بارے لکھتے ہیں:

"علامہ محمد اقبال کے نزدیک مسلم تشخص کا سب سے بہترین درجہ خلافت الٰہیہ ہے۔ وہ مذہبی قیادت کو مسلم تشخص کی بقا کے لیے سب سے اہم تصور کرتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں جس مذہبی قیادت میں خودی، غیرت مندی اور خودداری ہو گی وہ اپنے تشخص کو ہمیشہ قائم رکھے گا۔ ان کے نزدیک یہ ایک فعال مذہبی قیادت اور متحرک رہنما کے ذریعے ہی قائم رہ سکتا ہے۔"(۵)

اقبال کے نزدیک ایسا شخص محض نام کا مسلمان ہے جو خودی سے محروم ہو۔ جس کی کوئی فکری یا اخلاقی شناخت باقی نہیں رہتی کیونکہ خودی وہ چیز ہے جو مسلمان کو اس کی پہچان اور شناخت دیتی ہے۔ اقبال کے مطابق خودی کا راستہ صبر، عشق، عمل، علم اور قربانی سے گزرتا ہے۔ خودی وہ بنیاد ہے جس پر فرد اپنی دنیاوی و اخروی ذمہ داری، پہچان اور مقام قائم کرتا ہے۔ اقبال نے خودی کو مادی تہذیب، جبر کے نظام اور مغربی استعمار کے مقابلے میں ایک روحانی ہتھیار بنا کر پیش کیا۔ خودی مقصود فطرت ہے اور یہی ایک مسلمان کا رمز بھی۔ خودی کے بیداری مسلم تشخص کی بیداری ہے یہ اخوت، رواداری اور محبت سکھلاتی ہے۔ اقبال کا یہی پیغام عام ہے۔ اقبال کے نظریہ خودی کے بارے ملک راج آنند لکھتے ہیں:

"اقبال کی شاعری کا اصل محور و مرکز تصور خودی ہے۔ انھوں نے خودی کو اپنی شاعری کا مرکز بتایا ہے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ جب تک خود سے آگاہی حاصل نہیں ہو جاتی ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اقبال کے مطابق خودی ہی وہ راستہ ہے جو صراط مستقیم کی طرف لے جاتا ہے"(۶)

کلام اقبال میں غیرت ایمانی اور جہاد کو مسلم تشخص کی بقا کے لیے سب سے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اقبال نے جہاد کو صرف تلوار کا عمل نہیں بلکہ ایک اخلاقی، تمدنی، فکری اور روحانی جدوجہد کے طور پر پیش کیا۔ ان کے نزدیک مسلم تشخص کی بقاء، دفاع اور احیاء کے لیے جہاد کی قوت ناگزیر ہے۔ وہ مسلمانوں کے سامنے اپنے کلام میں مجاہدین اسلام، صحابہ کرام، خلفائے راشدین، علماء اور صوفیا کی قربانیوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں سلطان محمود، طارق بن زیاد اور عمر فاروق جیسے کرداروں کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے تاکہ نوجوان نسل کو غیرت ایمانی یاد دلا سکیں۔ اقبال اس بارے فرماتے ہیں:

سبَق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (۷)

مغربی تہذیب پر تنقید اور اس کا تجزیہ کلام اقبال میں تعصب یا نفرت پر مبنی نہیں بلکہ یہ ایک شعوری رد عمل ہے۔ مسلم تشخص کی حفاظت اور امت کی روحانی شناخت کو بچانے کے لیے یہ رد عمل بہت ضروری ہے۔ مغرب نے مسلمان کو فکری غلامی، قوم پرستی، مادیت، الحاد اور انفرادیت جیسے دلدل میں دھکیل دیا ہے۔ اقبال کے نزدیک مغرب کی چمک دمک محض ایک دھوکہ ہے اور مسلمان نوجوانوں کو خبردار کیا کہ وہ ظاہری ترقی کہ فریب میں آکر اپنی دینی شناخت کھو بیٹھے ہیں۔ اقبال کے نزدیک مغرب کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس نے انسان کو مادہ و عقل کا غلام بنا کر اسے روح سے کاٹ دیا ہے۔ اقبال مغربی تہذیب و ثقافت کو ایک کھوکھلا جسم سمجھتے ہیں جس میں روح کی روشنی تک باقی نہیں۔ اقبال کے فارسی کلام میں بھی مغرب کی روحانی بے مائیگی اور مسلمانوں کی بیداری کو

پیش کیا گیا ہے۔ اقبال مغرب کی نقالی سے مسلم تشخص کو خطرے میں دیکھتے ہوئے تنقید کرتے ہیں کہ مغرب کا نظام حکومت، نظام تعلیم، تہذیب اور ثقافت اگر امت مسلمہ اپنالے گی تو وہ اپنی انفرادیت کھو دے گی۔ اقبال اس بارے فرماتے ہیں۔

نظر کو خِیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھُوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے (۸)

کلام اقبال میں مسلم قوم کو درس ملتا ہے کہ اللہ سے ہر حال میں مدد مانگنی ہو گی تب ہی ہم اپنے آباو اجداد کی طرح سر فراز اور سر بلند ہوں گے۔ آج مغرب کی چمک دمک میں کھو کر ہم اپنے اسلاف کو بھلا بیٹھے ہیں اس لیے مسلم تشخص زوال پذیر ہے۔ اقبال کی اردو شاعری میں استعمال ہونے والے الفاظ جیسے غیرت، امت، ملت، رسالت، دین اور قرآن مسلم تشخص کے دراصل بنیادی و فکری ستون ہیں۔ کلام اقبال میں جہاد، ایمان، اخلاقی اور عملی جیسی عظیم صفات کی نشاندہی ملتی ہے جو مسلم تشخص کو برقرار رکھنے اور بیدار کرنے کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ اقبال اپنی شاعری میں نہ صرف مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ ان کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔

علامہ اقبال کا انداز براہ راست اصلاحی اور جوشیلہ ہے۔ وہ اپنی اردو نظم "خضر راہ" میں نوجوانوں کو مغرب کے جدید چیلنجز کے مقابلے میں خودی، دین اور علم کے ذریعے شناخت قائم رکھنے کا پیغام دیتے ہیں۔ وہ نوجوانوں کو جھنجوڑتے ہیں پھر امید دلاتے ہیں اور راہ راست پر لاتے ہیں۔ اقبال سمجھتے ہیں کہ مسلمان نوجوان امت مسلمہ کا مستقبل اور تشخص کا امین ہے۔ اقبال آج کے نوجوانوں کو غلامی، مایوسی اور تقلید سے نکال کر روحانی عظمت، خودداری اور اعتماد کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کا پیغام انقلابی ہے وہ نوجوانوں کو شاہین سے تشبیہ دیتے ہیں شاہین وہ پرندہ جو انفرادیت، غیرت، جرات اور بلندی کا نشان ہے۔ نوجوانوں کو مخاطب کر کے اقبال فرماتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی (۹)

اقبال کے نزدیک خودی سے مراد نوجوان کے اندر کا وہ شعور ہے جو اسے ملت، مقصد، دین اسلام اور اسلاف سے جوڑتا ہے۔ مسلمان نوجوان مغرب کی اندھی تقلید، دنیاوی تعلیمات، مغربی تہذیب اور میڈیا کے فتنے کی وجہ سے فکری اور فطری طور پر کمزور ہو رہا ہے اور امت مسلمہ اپنا تشخص کھو رہی ہے۔ اقبال نوجوان سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ایمان کی طاقت، اسلاف کی روایات، عمل اور علم کو سمجھے کیونکہ اسی میں مسلم تشخص کی بقا کا راز مضمر ہے۔ اقبال ایک ایسا معاشرہ چاہتے تھے جس میں نوجوان صرف مغربی تعلیم حاصل نہ کرے بلکہ جدید علوم کے ساتھ قرآن و سنت کا علم بھی رکھتا ہو اور دنیا اسلام کا نمائندہ بن سکے۔ نوجوانوں کے بارے اقبال رب العالمین سے فریاد کرتے ہیں:

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
مرا عشق، میری نظر بخش دے (۱۰)

اقبال ایک شاعر نہیں بلکہ مجاہد فکر تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری کو ہمیشہ امت کی تربیت، اصلاح اور بیداری کا ذریعہ بنایا تا کہ مسلمان اپنا تشخص قائم کر سکیں۔ اقبال کے ہاں مسلم تشخص صرف ایک تصور نہیں بلکہ ایک عملی دعوت ہے۔ جس کا مقصد مسلمان معاشرے کو اخلاق، ایمان، علم اور عمل کی بنیاد پر قائم کرنا ہے۔ علامہ اقبال اپنے کلام میں مسلم تشخص کو ایک الگ دینی و تہذیبی شناخت کے طور پر پیش کرتے ہیں جو مغرب کی سیکولر یا قوم پرست ریاستوں سے بالکل الگ ہے۔ اقبال سیاسی آزادی کو دینی اور تہذیبی

بقا کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلامی ریاست ایسی ہونی چاہیے جہاں مسلمان اپنی زندگی قرآن و سنت کی روشنی میں بسر کرے اور اس کی نسلوں کو دینی تربیت اور تہذیبی شناخت بھی حاصل ہو۔ آل احمد سرور اقبال کے اس تصور بارے فرماتے ہیں:

"اقبال کے نزدیک علم و حکمت کے بغیر کوئی قوم اپنی تہذیب کی بقا کی ضمانت
حاصل نہیں کر سکتی۔ اقبال کے مطابق قوم اور تہذیب کی بقا اس امر میں ہے کہ
قوم کے فرد سچے رہنما بنیں، اپنی زبان اور تہذیب کی حفاظت کریں، اپنا تشخص
قائم رکھیں۔"(۱۱)

علامہ اقبال کے نزدیک جہالت، ناانصافی، جھوٹ اور بے حیائی ایسی معاشرتی بگاڑ کی بیماریاں ہیں جو مسلم تشخص کو مٹاتی جا رہی ہیں۔ ان کے علاج کے لیے دین، علم اور کردار کی اصلاح کی تلقین کی۔ اقبال کے نزدیک ایسا مسلمان جو دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ لے وہ آخرت کو بھول جاتا ہے اور اپنی اصل شناخت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اقبال بار بار مسلمانوں کو ان کا مقصد حیات یاد دلاتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں محض دنیاوی کامیابی حاصل کرنے نہیں آیا بلکہ اللہ کی رضا اور آخرت میں کامیابی کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اقبال کے نزدیک مسلم تشخص صرف ظاہری شناخت سے ہی قائم نہیں بلکہ تقویٰ، خوف خدا، آخرت اور روحانی ذمہ داری کے تصور کا اس پر گہرا اثر ہے۔ اقبال ان اعمال بارے فرماتے ہیں:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے (۱۲)

اقبال کے نزدیک مسلم تشخص کے بقا عورت کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ پہلی تعلیمی درسگاہ ماں ہے اور یہی مسلم قوم کی نسلوں کی محافظ ہے۔ اقبال عورت کو اسلامی تہذیب کی محافظ، نئی نسل اور ملت کے استحکام کی معلمہ قرار دیتے ہیں۔ اقبال عورت کو مغربی آزادی کے تصور سے اس دنیا کی محض زینت محفل تسلیم نہیں کرتے وہ مسلم عورت کو دینی اور اخلاقی مقام یاد دلاتے ہیں۔ ان کے نزدیک عورت اسلامی معاشرے میں ایک فعال اور مرکزی کردار ادا کرتی ہے اور وہ عزت، کردار اور حیا کا سرچشمہ ہے جو مسلم تشخص کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اقبال عورت کے مقام و مرتبہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں (۱۳)

کلام اقبال میں مسلم تشخص ایک متوازن اور جامع نظام کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہ تشخص محض ایک مذہبی شناخت ہی نہیں بلکہ ایک مکمل طرز حیات ہے۔ جس میں اخلاق، عقیدہ، تعلیم، روحانیت، معیشت اور سیاست شامل ہیں۔ آج کے مسلمانوں کے لیے اقبال کا پیغام واضح اور جامع ہے کہ اپنی شناخت کو پہچانو اور اس پر فخر کرو۔ مغربی تہذیب کی چمک دمک، میڈیا کی یلغار، تعلیم کی سیکولر جہت اور فکر کی غلامی یہ سب مسلم تشخص کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ اقبال کا ہر شعر، ہر دعا، ہر فلسفہ اور ہر خواب مسلم تشخص کے تحفظ اور احیاء کی جدوجہد کا استعارہ ہے۔

اردو ادب کے عظیم طنز و مزاح کے شاعر اکبر الہ آبادی ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ اکبر نے جس عہد میں جنم لیا وہ تہذیبی تصادم کا زمانہ تھا اور اس وقت مسلمانوں کی حکمرانی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ ایک طرف مسلمانوں کی مٹتی ہوئی تہذیب تھی تو دوسری طرف مغربی تہذیب غلبہ پا رہی تھی۔ اسی کشمکش میں مسلم تشخص مٹتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اکبر نے اپنے کلام میں طنز و مزاح کے پیرائے میں

مسلم تشخص کا دفاع کیا۔ اکبر نے اپنے کلام کے ذریعے مسلمانوں کے اندر سیاسی، سماجی، فکری اور تہذیبی انقلاب لانے کی کوشش کی تاکہ مسلمان اپنا تشخص قائم کر سکیں۔ اکبر الہ آبادی کا کلام مسلمانوں کے لیے فکری جہاد کے طور پر سامنے آیا۔ وہ اپنے کلام میں مسلمانوں کو ان کا شاندار ماضی یاد کروا کر اپنی کھوئی ہوئی شناخت واپس لانے کا درس دیتے ہیں۔ وہ اپنے کلام میں تعلیم یافتہ طبقے، سرکاری نوکری اور جدید تعلیم کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ اکبر نے اپنے کلام میں مسلم تشخص کا بھرپور دفاع کیا۔ مسلمان ہر طرح سے اپنا وقار، مقام، شناخت اور اخلاقی جرآت کھو چکے تھے۔ ان کے کلام میں مسلم تشخص تشویش اور امید کی صورت میں سامنے آیا۔ ڈاکٹر سیفی سرونجی اکبر کے بارے یوں رقمطراز ہیں:

> "اکبر الہٰ آبادی نے اپنی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری سے یہی احساس دلایا ہے کہ ان کی شاعری میں ایک مقصد تھا وہ مغربی تہذیب کے سخت خلاف تھے اور باپردگی اور مخلوق تعلیم کے بھی خلاف تھے۔"(۱۴)

اکبر اپنے کلام میں ان لوگوں کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں جن کا یارانہ تو مغرب والوں سے تھا مگر رہنمائی مسلمانوں کی کر رہے تھے۔ اکبر ایسے دوہرے معیار کے مسلمانوں کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی اصل پہچان قرآن، سنت اور شریعت ہے۔ اکبر یاد دہانی کرواتے ہیں کہ اگر ملت اسلامیہ دین سے دوری اختیار کرتی ہے تو مسلم تشخص مٹ جائے گا۔ وہ مسلم تشخص کے کھو جانے کا سب سے بڑا سبب مغرب کی اندھی تقلید کو قرار دیتے ہیں۔ اس بارے اکبر یوں فرماتے ہیں:

کہتی ہے یہ ہسٹری با آواز بلند
تم کچھ نہ رہے اگر مسلمان نہ رہے (۱۵)

اکبر نے جس عہد میں آنکھ کھولی ایک طرف صدیوں پر پھیلی اسلامی تہذیب جو مٹتی ہوئی نظر آرہی تھی اور دوسری طرف مغربی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ وہ اپنے کلام کے ذریعے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگاتے ہیں۔ اکبر کا کلام محض تنقید یا طنز نہیں بلکہ اسلامی قلعہ کے گرد ایک باڑ ہے جو مغربی تہذیب کو داخل ہونے سے روکتی ہے۔ وہ اسلامی اقدار کا فروغ کرتے ہیں اور ہر طرح سے ان کا دفاع کرتے ہیں۔ اکبر اپنے کلام میں ان اصولوں کا بھی دفاع کرتے ہیں جس میں مسلم تشخص کی بقا ہے۔ جن میں اخوت، اخلاص، ایثار، عدل، علم اور حیا شامل ہیں۔ اکبر کے نزدیک یہ وہ اقدار ہیں جو مسلمانوں کی کردار سازی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اکبر کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

> "اکبر کے نزدیک تعلیم ایسی ہونی چاہیے جو انسانوں کو تہذیب، دیانت اور شرافت سکھائے، انہیں روحانی ترقیاں اور اطمینان قلب بخشے۔ مگر جو تعلیم قوموں اور انسانوں کو گروہوں میں بانٹ دے، مختلف طبقات میں منافرت پیدا کرے اور محض مادی مفادات کے حصول کی طرف مائل کرے۔ وہ قابل ترویج نہیں ہے"(۱۶)

اکبر نے اپنے کلام میں بار بار مسلمانوں کو یہ یاد کروایا کہ مسلمان اپنا وقار، مقام، عزت اور تشخص تب تک برقرار رکھ سکتے ہیں جب تک وہ اسلامی اقدار سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک مغربی تہذیب ایک فریب، دھوکہ اور جھوٹ ہے جو کبھی بھی سچ نہیں ہو سکتا۔ اکبر مسلمانوں کو دین اسلام پر کاربند رہنے کا درس دیتے ہیں کیونکہ یہی مسلم تشخص کی اصل بقا ہے۔ اکبر کے نزدیک تعلیم اور

مذہب ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ ان کے مطابق تعلیم جس قوم کو مذہب سے جدا کرتی ہے تو وہ قوم اپنا تشخص کھو دیتی ہے۔ اس لیے وہ مغربی تعلیم کے خلاف تھے کیونکہ وہ مذہب سے دور کرتی ہے۔ اسلامی تعلیم مسلم تشخص کے تحفظ کا بہترین ذریعہ ہے۔ جدید تعلیم کے بارے اکبر فرماتے ہیں:

نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے
جناب ڈارون کو حضرت آدم سے کیا مطلب (۱۷)

اکبر اپنے کلام میں مسلم تشخص کے پہرہ دار بن کر سامنے آتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو ان کا شاندار ماضی یاد کرواتے ہوئے بیدار کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی اخلاقی اقدار کو فراموش نہ کریں کیونکہ مسلمان مغرب پرستی میں ڈوب کر بے راہ روی کا شکار ہو گئے تھے اور اپنی اصل شناخت ختم کر چکے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے تشخص کی حفاظت کے لیے آواز بلند کی۔ اکبر کے عہد میں مسلمان مذہبی کمزوریوں، فکری زوال اور مغربی اثرات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ اپنے کلام میں ان خامیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور ان کا حل بتاتے ہیں۔ ڈاکٹر ناصرہ سلطانہ اکبر کے بارے لکھتی ہیں:

"اکبر کی شاعری کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ ان کی شاعری میں اپنے عہد کے تمام رجحانات کی عکاسی ملتی ہے، چاہے وہ سیاسی ہوں یا سماجی۔ انھوں نے اپنے کلام میں سامراج کے جبر و استبداد اور ہندوستان میں غیر ملکی حکومت کے معاشی و اقتصادی استحصال کے خلاف آواز بلند کی" (۱۸)

اکبر اپنے کلام میں مسلم نوجوان کو بیدار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک نوجوان نسل کسی بھی ملت کا اہم ستون ہوتی ہے۔ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ اگر مسلم نوجوان اپنی فکری، تہذیبی، مذہبی، سیاسی، سماجی اور دینی روایات سے منہ موڑ لیں گے تو وہ گمراہ ہو جائیں گے اور مسلم تشخص برقرار نہیں رہے گا۔ اکبر کے عہد میں نوجوان مغربی تعلیم کی طرف زیادہ رجحان رکھنے لگے تھے اور وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ وہ تعلیم تو تھی مگر احساس اور اخلاقیات سے خالی۔ وہ اپنے کلام کی زیادہ تر توجہ اس وقت کے نوجوانوں کی اصلاح پر دیتے ہیں کہ وہ ایسا لباس زیب تن نہ کریں جو اسلام کے خلاف ہو اور وہ ایسی زبان نہ سیکھیں جس میں ادب و آداب نہ ہو۔ وہ اس بارے لکھتے ہیں:

تہذیب قدیم کے جب ارکان تھے چست
ملکی حالات سب رہے صاف و درست
تعلیم جدید نے کیا فتنہ بپا
اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست (۱۹)

اکبر کے نزدیک جدید تعلیم اور جدید تہذیب نئی تعمیر نہیں کر سکتی بلکہ مسلمانوں کی قدیم تعلیم و تہذیب ہی ان کی تنزلی اور زوال پذیری کا واحد علاج ہے۔ وہ جدید تعلیم اور مغربی تہذیب کی ہر قسم کی تقلید کو مسلمانوں کے حق میں سم قاتل سمجھتے تھے۔ مسلمان جب تک اپنی قدیم تہذیب و تعلیم کے پابند رہے وہ خوشحال رہے۔ مغربی تعلیم و تہذیب کی تقلید کی وجہ سے مسلم تشخص خطرہ میں پڑ گیا۔ اکبر نے متعدد مقامات پر اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہے جس میں اس زوال کا اعتراف ہے۔

اکبر اپنے کلام میں مسلم معاشرے کے زوال کی وجوہات بتاتے ہیں۔ مسلم تشخص کی بقاء کردار سازی، دیانت، صداقت اور اخلاق میں ہے۔ کسی بھی معاشرے میں جب یہ اخلاقی اقدار ختم ہو جائیں تو وہ معاشرہ بدحالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اکبر اپنے کلام میں ان کمزوریوں پر طنز کے نشتر برساتے ہیں۔ اکبر کے مسلم قوم مغرب پرستی میں ڈوب کر مادی دنیا، تصنع اور جھوٹ کی نقالی میں اپنی تہذیب اور مذہب کو بھلا چکی تھی۔ مغربی تعلیم و تہذیب نے مسلمانوں کی شناخت، تہذیب اور مذہب کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ یہ تہذیب مسلمانوں کی فکری و روحانی زوال کا سبب بن رہی تھی۔ اس وجہ سے اکبر مغربی تعلیم اور تہذیب کے سخت خلاف تھے۔ غلام حسین ذوالفقار اکبر کے اس نظریے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اکبر نے اہل وطن کی بے بسی اور بے غیرتی پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ جو انگریزوں کی محکومی کا طوق لعنت پہن کر بے ضمیر ہو گئے تھے۔ خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور سامراجی حکمرانوں کی تعریف و توصیف میں اس حد تک آگے جا چکے ہیں کہ انہیں اپنے ملک اور ہم وطنوں کی تباہی اور بربادی پر کوئی ملال نہیں۔"(۲۰)

اکبر اپنے کلام میں مسلم قوم کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ خاص طور پر ایسے افراد کو جو دین اور مذہب کو چھوڑ کر مغربی لباس زیب تن کرنے، انگریزی بولنے اور غیر اسلامی تہوار منانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اکبر نے مسلم تشخص کے کھو جانے کا ایک سبب دین و مذہب پر مغرب پرستی کے غالب آجانے کو قرار دیا۔ ان کے عہد میں مذہبی عبادات محض رسما ادا ہو رہی تھیں۔ وہ مسلم قوم کے اعمال کو قرآن و سنت کی روشنی میں ادا کرنے کے قائل ہیں۔ اکبر کے نزدیک مسلم تشخص اس وجہ سے بھی زوال پذیر ہوا کیونکہ مسلم قوم قرآن و سنت سے دور ہو چکی تھی۔ اکبر چاہتے ہیں کہ مسلم قوم قول و فعل دونوں لحاظ سے ایک جیسی ہو اور اپنے اخلاق کو سنوار لے تو پوری دنیا کو متاثر کر سکتی ہے یہی مسلم تشخص کے بقا کی ضمانت ہے۔ اکبر اس بارے لکھتے ہیں:

مسجدیں بڑھ رہی ہیں، مومن گھٹ رہے ہیں
روزہ نماز بڑھ رہی ہے، پر دل سڑ رہے ہیں (۲۱)

اکبر کے کلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ مسلم معاشرے کے نوجوانوں کے اندر فکری خود مختاری کے خواہ ہیں۔ وہ اپنے کلام میں مسلمانوں کے اندر فکری آزادی پیدا کرنا چاہتے تھے کیونکہ جنگ آزادی کے بعد مسلمان برصغیر میں فکری طور پر انگریزوں کے غلام بن گئے تھے۔ وہ اپنی فکر کو مغرب کے تابع کر کے اس کی اندھی تقلید کر رہے تھے۔ ان کا اٹھنا، بیٹھنا، رہن، سہن، بول، چال، کھانا، پینا غرض مکمل طرزِ زندگی مغربی تہذیب کے مطابق تھا۔ اکبر اپنے کلام میں مسلمانوں کو اس فکری غلامی سے آزاد کروانا چاہتے تھے۔ مسلم قوم انگریزی استبداد کے زیر سایہ سانس لینے اور آہیں بھرنے لگی تھی اور مسلمان خدا سے ڈرنے کے بجائے انگریزوں سے زیادہ ڈرنے لگے تھے۔ مسلم تشخص کی بقا کے لیے فکری آزادی اور خود مختاری کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ان کے نزدیک جب فکر کسی اور کے تابع ہو جائے تو ایسے معاشرے ترقی کے منازل طے نہیں کرتے نہ ہے پھر تشخص قائم رہ سکتا ہے۔ وہ اپنے کلام میں اس کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سانس لیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
یہ نہ سمجھیں کہ آہ کرتا ہوں

شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں
میں تو انگریزوں ہی سے ڈرتا ہوں (۲۲)

اکبر اس مغربی انقلاب کو بدل تو نہ سکے لیکن اس پر عمل نہ کرنے کے خلاف آواز ضرور بلند کرتے رہے۔ وہ جانتے تھے کہ مغربی تہذیب کھوکھلی ہے۔ جس میں نہ ماں باپ کا ادب ہے نہ بہن بھائیوں کا احترام۔ اس لیے وہ مسلم قوم کو اس سے دوری اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ صرف عبادات سے مسلم معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا جب تک اس میں غیرت ایمانی نہ ہو۔ وہ اپنے کلام میں مسلم تشخص کے پہلوؤں اور قومی غیرت کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں۔ جب کوئی معاشرہ قومی غیرت سے خالی ہو جائے تو وہ بے وقار ہو جاتا ہے۔ مسلم معاشرے کے لوگوں میں قومی غیرت مسلم تشخص کے بقا کا واحد ذریعہ ہے۔ سید ابو الخیر کشفی اکبر کی قومی غیرت کے خلاف بلند آواز کرنے کے سلسلے میں یوں لکھتے ہیں:

"اکبر کو معلوم تھا کہ زمانہ ان کے مخالفوں کے ساتھ ہے اور شکست ان کے لیے مقدر ہو چکی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی آواز بے آہنگ نہیں ہوئی، ان کا لہجہ بھی نہیں بدلا۔ اکبر کو یہ یقین ضرور تھا کہ وہ اس سیلاب کو روک تو نہیں سکتے لیکن اس مغربی سیلاب کے آگے آخری چٹان ضرور بن سکتے ہیں۔" (۲۳)

آج بھی مسلم قوم جدیدیت کو اپنانے کی خاطر اپنی تہذیب، ثقافت اور مذہب کو بھول چکی ہے اس وجہ سے ہم آج بھی اپنا مسلم تشخص ختم کر چکے ہیں۔ اکبر کا کلام بار بار اس بات پر غور و فکر کرنے کا پیغام دیتا ہے کہ مسلم قوم اپنی اصل شناخت کو پہچانے، اسے اپنی زندگی کا شعار بنائے، اس پر فخر کرے، مغرب کی نقالی اور اندھی تقلید سے دور رہے اسی میں مسلم تشخص کی بقا ہے۔ اکبر نے اپنے کلام میں نہ صرف مسلم تشخص کے بحران کی نشاندہی کی بلکہ اس کا حل بھی بتایا۔ اکبر کے کلام میں طنز و مزاح کے پیرائے میں اصلاح کا پہلو چھپا ہوا ہے۔ ان کا کلام آج بھی اتنا معنی خیز ہے جتنا اس دور میں تھا اور یہی ان کے کلام کی خوبی ہے کہ وہ فرد کو سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

اکبر الہ آبادی کا عہد ۱۸۴۶ء سے ۱۹۲۱ء تک اور اقبال کا عہد ۱۸۷۷ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک ہے۔ دونوں شعراء کا خاندانی شجرہ الگ الگ ہے اور دونوں ذات کے حوالے سے بھی جدا ہیں لیکن دونوں کی فکری ہم آہنگی ایک ہے۔ دونوں شعراء نے اپنے کلام میں برطانوی استعماریت کے خلاف آواز بلند کی اور دونوں نے ہی برطانوی استعمار کے زیر سایہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی مذہبی، تہذیبی اور فکری پہچان کو قائم رکھنے کے لیے اپنے کلام کو آلہ کار بنایا ہے۔ اقبال اور اکبر دونوں نے مسلم تشخص کی بقا دین اسلام کو قرار دیا۔ وہ مسلم تشخص کی بنیاد اسلام کے بنیادی عقائد اور قرآن و سنت کو سمجھتے ہیں۔ وہ قرآن و سنت کو مرکزی نقطہ قرار دیتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک توحید، رسالت، آخرت اور نیک اعمال مسلم تشخص کی بقا ہیں۔ اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی اصلاح قرآن و سنت کی روشنی میں کریں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی اقبال کے بارے یوں رقم طراز ہیں:

"علامہ اقبال نے انقلاب کے خواب دیکھے ہیں اور اس خواب کو عملی شکل دینے کے لیے اس عظیم انسان کی شخصیت اور کردار میں زندگی اور جوانی کی بجلیاں بھری ہیں لیکن اقبال کے نزدیک مسلم قوم کے لیے یہ انقلاب ذریعہ ہے، نصب

العین نہیں ہے۔ اقبال کے نزدیک نصب العین وہ مثالی نظام اقتدار ہے۔ جس کی
بنیاد اخوت، محبت، مساوات اور سماجی انصاف پر استوار ہو"۔ (۲۴)

اکبر الہ آبادی بھی علامہ اقبال کی طرح مسلم تشخص کے زوال پر طنز کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ دین ہی نہیں اور جو شعور پیدا نہ کرے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلم قوم میں مذہب اب برائے نام رہ گیا ہے۔ کوئی بھی قوم جو طرز زندگی، فکر اور معاشرت میں روحانی طور پر مذہب سے جڑی ہوئی ہو گی اس کا تشخص ہمیشہ قائم رہے گا۔ وہ اسلامی تہذیب کے تحفظ کے بڑے علمبردار ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام کے ذریعے مسلم تشخص کی حفاظت کی ہے۔ وہ مغرب کی ظاہر پرستی کے خلاف تھے۔ وہ اسلامی تہذیب کو محبت، اخوت، مساوات، عدل اور علم کی وجہ سے مغربی تہذیب سے اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ وہ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کی مخالفت کرتے ہیں ان کے نزدیک جب انسان مذہب سے دور ہوتا ہے تو اس کا ایمان جاتا رہتا ہے۔ ایمان کی اہمیت بارے اکبر لکھتے ہیں:

زوال جاہ و دولت میں بس اتنی بات اچھی ہے
کہ دنیا میں بخوبی آدمی پہچان جاتا ہے
نئی تہذیب میں دقت زیادہ تو نہیں ہوتی
مذاہب رہتے ہیں قائم فقط ایمان جاتا ہے (۲۵)

علامہ اقبال اپنے کلام میں اسلامی تہذیب کی نمائندگی روزمرہ طرز زندگی یعنی رہن، سہن، لباس، زبان اور مزاج سے کرتے ہیں۔ اکبر اور اقبال دونوں اسلامی تہذیب اور غیرت ایمانی کو مسلم تشخص کی بقا قرار دیتے ہیں۔ دونوں نے اپنے کلام میں اس کی اہمیت پر بھرپور زور دیا۔ وہ کسی بھی مسلمان کو ایک فرد نہیں مانتے بلکہ امت مسلمہ کا جزو تصور کرتے ہیں۔ کسی بھی قوم کی سیاسی بیداری، خود مختاری اور شعوری قیادت اس قوم کے تشخص کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اقبال براہ راست سیاسی شعور پیدا کرنا چاہتے ہیں جبکہ اکبر طنز ظرافت کے پیرائے میں یہ شعور پیدا کرتے ہیں۔ اقبال غیرت ایمانی کو مسلم تشخص کا واحد حل قرار دیتے ہیں۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

غیرت ہے بڑی چیز جہان تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاج سر دارا (۲۶)

اقبال کے مقابلے میں ایک بار کا سیاسی شعور قدر مختلف ہے۔ وہ انگریزی نظام اور مسلم قوم کی غلامانہ ذہنیت پر اندھا اعتماد نہیں کرتے۔ وہ مسلمانوں کو بتاتے ہیں کہ مسلم تشخص کی بقا دین کے اصول و قوانین پر عمل کرنے میں ہے۔ دین اسلام نے جو سیاست کا درس دیا ہے مسلمان جب تک اس کو نہیں اپنائیں گے تب تک مسلم تشخص برقرار نہیں رہے گا۔ وہ مغربی جمہوریت کے قوانین سے بخوبی آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ وہ قوم کو غلام بنانا چاہتے ہیں نہ کہ خود مختار۔ اس لیے وہ مسلم قوم کا سیاسی شعور اجاگر کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے وہ مسلمانوں کے اندر سیاسی خودداری، ملی غیرت اور شعور رکھنے والے قیادت کا تصور پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اکبر لکھتے ہیں:

ملا کی سنی اور مدرسے گئے
لیڈر کی سنی اور نوکر ہو گئے (۲۷)

اکبر اور اقبال دونوں کے نزدیک مسلم شناخت، تربیت اور تعلیم بھی مسلم تشخص کی بقا کا ذریعہ ہے۔ تعلیم و تربیت کا ہونا معاشرے کی ترقی کے لیے بہت ضروری ہے۔ دونوں کا تعلیم و تربیت کے حوالے سے نقطہ نظر ایک ہی ہے۔ دونوں کے نزدیک تعلیم کا

مقصد اصلاح اور شعور ہے۔ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ تعلیم و تربیت مسلم تشخص کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ دونوں نے اپنے کلام میں تعلیم و تربیت کو موضوع تو بنایا مگر دونوں کا اندازِ بیان جداگانہ ہے۔ اقبال کے نزدیک تعلیم معلومات کا ڈھیر نہیں بلکہ روحانی ترقی، مذہبی آزادی اور فکری بیداری کی ضامن ہے۔ وہ مغربی تعلیم کو انسانی زندگی سے دور سمجھتے ہیں۔ انسان کے کردار سازی کے لیے اسلامی تعلیم کا تصور پیش کرتے ہیں۔ اکبر کے نزدیک مغربی تعلیم نے ترقی تو دی مگر نوجوانوں کے دل اور روح کو اسلام سے خالی کر دیا۔ وہ مسلمانوں کے لیے ایسی تعلیم چاہتے ہیں جو ان کو مذہب سے جوڑے رکھے۔ اس ضمن میں اکبر لکھتے ہیں:

پڑھ کے انگریزی میں دانا ہو گیا
کم کا مطلب ہی کمانا ہو گیا (۲۸)

علامہ اقبال نے تصور خودی کو مسلم تشخص کی بقا کا اولین قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک خودی سب سے بڑی طاقت ہے۔ جس سے انسان کو اس کے اصل پہچان، مقام، مرتبہ اور مقصد سے آگاہی ہوتی ہے۔ خودی کے بغیر کسی بھی فرد کی شناخت ناممکن ہے۔ جس انسان نے خود کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔ اقبال کے نزدیک جب تک ہر فرد اپنی خودی کو نہ جان لے تب تک مسلم تشخص قائم نہیں رہ سکتا۔ اقبال کے نزدیک مسلم قوم کے زوال کی اصل وجہ توحید سے دوری اور خودی سے غفلت ہے۔ اس ضمن میں اقبال لکھتے ہیں:

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا (۲۹)

اکبر اور اقبال دونوں نے مسلم تشخص کے ختم ہونے کی بنیادی وجہ امت مسلمہ کے زوال کو کہا ہے۔ دونوں شعراء نے امت مسلمہ کے زوال کے اسباب کو گہرائی کے ساتھ محسوس کیا اور اس زوال کے اسباب اور ان کا حل بتایا۔ اقبال کی طرح اکبر نے بھی فرد کی شناخت کو اہمیت دی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلم قوم ان وجوہات کو ڈھونڈے جن کی وجہ سے ان کا تشخص ختم ہوا۔ اکبر بھی مسلم تشخص کے بگڑتے ہوئے حالات دیکھ کر نالاں ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام میں مسلم تشخص کا دفاع کیا اور مغربی تہذیب کی مخالفت کی۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

مغربی تہذیب میں کس کو میں سمجھوں مستند
اس تماشہ گاہ میں جو بھی ہے صاحبزادہ ہے (۳۰)

اکبر اور اقبال مغرب کی سیاست، فلسفہ اور تہذیب سے بخوبی آگاہ تھے۔ دونوں نے زبان و ادب کو صرف اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ انہوں نے زبان و ادب کو مسلم تشخص کا امین سمجھا اور اپنے کلام کو فکری دعوت کا ذریعہ بنایا۔ دونوں نے اپنے کلام سے مسلم تشخص کی حفاظت کی۔ اقبال کی طرح اکبر بھی مسلم قوم اور اس کی تہذیب کا دفاع کرتے ہیں۔ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ مغربی استعمار مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی طور پر کمزور کر رہا ہے بلکہ مسلمان ذہنی و فکری طور پر بھی کمزور ہو رہے ہیں۔ وہ اپنے کلام میں طنز کا طریقہ اپنائے ہوئے مسلم قوم کی اصلاح کرتے ہیں۔ سید احتشام حسین اکبر کے بارے لکھتے ہیں:

"اکبر کے ارتقائے شعور کا دور غیر معمولی کشمکش کا دور ہے اور اکبر نے اس کشمکش کو چھپایا نہیں ہے بلکہ اسے ہر پہلو سے پیش کر دیا ہے۔ اگر اکبر کی شاعری کا

تاریخی حیثیت سے مطالعہ کیا جائے تو مشکل ہی سے عصری تاریخ ہند کا کوئی ایسا
واقعہ ہو گا جس کی طرف اشارے نہ مل جائیں۔"(۳۱)

اکبر اور اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان فکری طور پر آزاد ہوں۔ اقبال اپنے فلسفہ خودی میں امت مسلمہ کو فکری آزادی کا پیغام دیتے ہیں۔ وہ مسلم قوم کو اپنے شاندار ماضی پر فخر کرنے کو نہیں کہتے بلکہ امت مسلمہ کو جدید دور میں اپنے علم میں اضافہ کرنے اور تدبر کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ساتھ اپنا مسلم تشخص قائم رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اقبال مسلم قوم کو فکر اور تدبر کا درس دیتے ہیں اور مسلم ملت کی غیرت کو نچوڑتے ہیں۔ اقبال کا کلام کلام حق ہے۔ اقبال کی طرح اکبر بھی اپنے کلام میں طنز و مزاح کے پیرائے میں مسلمانوں کے فکری جمود کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اکبر اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ مسلمان ہر طرح سے مغربی تہذیب و ثقافت کے جال میں پھنس چکے ہیں اور اپنا مسلم تشخص کھو بیٹھے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلم قوم شعور، فہم، عقل اور علم سے کام لے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر امت مسلمہ فکری طور پر آزاد نہیں تو اس کا مسلم تشخص قائم نہیں رہ سکتا۔ اکبر اور اقبال دونوں نے اپنے کلام میں مسلم تشخص کے ہر پہلو کو ہر زاویے سے اجاگر کیا ہے۔ دونوں نے معاشرت، روحانیت، فرد، امت، عورت، نوجوان، زبان، نسل، رنگ، سیاست، تعلیم اور روحانیت جیسے موضوعات کو اپنے کلام میں موضوع بنایا ہے۔ اکبر اور اقبال دونوں نے مسلم تشخص کی بقا کے لیے راہیں ہموار کی ہیں۔ دونوں نے اپنے اپنے انداز میں مسلم تشخص کی بقا اور ترقی کے لیے راستہ دکھایا۔ لہٰذا آج کے دور میں جب مسلم تشخص کو کئی اطراف سے چیلنجز درپیش ہیں۔ دونوں کا کلام ایک تہذیبی ڈھال، ایک فکری اسلحہ اور روحانی چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی روشنی میں ہم اپنی راہیں پھر سے روشن کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص:۳۸۸

۲۔ اَیضاً، ص:۳۸۳

۳۔ شاہد اقبال کامران، اقبال دوستی، پورب اکادمی، اسلام آباد، نومبر ۲۰۱۵ء، ص:۱۸۷

۴۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص :۳۸۳

۵۔ ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، "اقبال کے کلام میں ممتاز شخصیت"، مثال، پبلشرز فیصل آباد، ۲۵ دسمبر ۲۰۱۸ء، ص:۲۹۳

۶۔ ڈاکٹر ملک راج آنند، مضمون، اقبال کی شاعری، (مشمولہ) "نیرنگ خیال، نقوش، اقبال نمبر، اقبال اکادمی لاہور، پاکستان، ۱۹۳۲ء، ص :۱۰۹

۷۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص:۳۰۰

۸۔ اَیضاً، ص:۳۰۵

۹۔ اَیضاً، ص :۲۷۷

۱۰۔ اَیضاً، ص :۴۵۱

۱۱۔ آل احمد سرور، اقبال اور تصوف، کشمیر یونیورسٹی، اقبال انسٹیٹیوٹ سری نگر، اگست ۱۹۸۰ء، ص :۱۲۲

۱۲۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص:۲۰۵

۱۳۔ اَیضاً، ص :۶۰۶

۱۴۔ ڈاکٹر سیفی سرونجی، مضمون، مشرقی تہذیب کا سچا عاشق: اکبر الہٰ آبادی، مشمولہ سہ ماہی رسالہ، "ہندوستانی زبان"، شمارہ ۱، لکھنو، جنوری تا مارچ ۲۰۲۲ء، ص:۷

۱۵۔ کلیات اکبر الہ آبادی، مرتبہ، خواجہ محمد زکریا، الحمد پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۲۲ء، ص:۶۳۱

۱۶۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، "اکبر الہ آبادی تحقیقی و تنقیدی مطالعہ"، الحمد پبلی کشنز لاہور، ۲۰۲۴ء، ص:۱۶۰

۱۷۔ کلیاتِ اکبر الہ آبادی، ص:۵۰۳

۱۸۔ ڈاکٹر ناصرہ سلطانہ، مضمون مشمولہ، مضمون "علم دوست"، اکبر الہ آبادی نمبر، مدیر، میر حسین علی امام، گلستان جوہر، بلاک بی، گرے اسکائی لائن کراچی، ستمبر ۲۰۲۱ء، ص:۱۷

۱۹۔ کلیاتِ اکبر الہ آبادی، ص:۶۲۳

۲۰۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، بزم اکبر سے بزم اقبال تک، بزم اقبال، حاجی محمد حنیف اینڈ سنز پرنٹرز لاہور، مارچ-اپریل ۲۰۰۴ء، ص:۹۱

۲۱۔ کلیاتِ اکبر الہ آبادی، ص۶۵۱

۲۲۔ اَیضاً، ص۴۹۱

۲۳۔ سید ابو الخیر کشفی، مضمون، اکبر الہ آبادی اور مغربی انقلاب، مشمولہ، نگار پاکستان، اکبر الہ آبادی نمبر، ۱۹۶۹ء، ص:۱۴۹

۲۴۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی، مضمون، اقبال اور عظمت انسانی، (مشمولہ، "برگ گل اقبال نمبر" مدیر، پروفیسر خلیل اللہ، وفاقی گورنمنٹ اُردو کالج، بابائے، اردو روڈ کراچی، ۱۹۷۷ء، ص:۱۱۷

۲۵۔ کلیاتِ اکبر الہ آبادی، ص :۵۲۱

۲۶۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص :۱۳۷

۲۷۔ کلیاتِ اکبر الہ آبادی، ص :۱۳۷

۲۸۔ اَیضاً، ص:۵۴۳

۲۹۔ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، ص:۱۸۶

۳۰۔ کلیاتِ اکبر الہ آبادی، ص:۴۷۷

۳۱۔ سید احتشام حسین، مضمون، اکبر کا ذہن، مشمولہ، علی گڑھ میگزین، اکبر نمبر، ۱۹۶۹ء، ص:۱۲۶

References in Roman Script:

1. Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Urdu), Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 2018, p. 388.
2. Ibid., p. 383.
3. Shahid Iqbal Kamran, Iqbal Dosti, Purab Academy, Islamabad, November 2015, p. 187.
4. Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Urdu), p. 383.
5. Haroon ur Rashid Tabassum, Iqbal Kay Kalam Mein Mumtaz Shakhsiyat, Misal Publishers, Faisalabad, 25 December 2018, p. 293.
6. Mulk Raj Anand, article "Iqbal Ki Shayari," in Nairang-e-Khayal, Nuqoosh Iqbal Number, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 1932, p. 109.
7. Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Urdu), p. 300.
8. Ibid., p. 305.
9. Ibid., p. 277.
10. Ibid., p. 451.
11. Aal Ahmad Suroor, Iqbal Aur Tasawwuf, University of Kashmir, Iqbal Institute Srinagar, August 1980, p. 122.
12. Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Urdu), p. 205.
13. Ibid., p. 606.
14. Saifi Saroonji, article "Mashriqi Tehzeeb Ka Sacha Aashiq: Akbar Allahabadi," in quarterly journal Hindustani Zaban, Issue 1, Lucknow, January–March 2022, p. 7.
15. Kulliyat-e-Akbar Allahabadi, compiled by Khwaja Muhammad Zakariya, Al-Hamd Publications, Lahore, 2022, p. 631.
16. Khwaja Muhammad Zakariya, Akbar Allahabadi: Tehqeeqi-o-Tanqeedi Mutala'a, Al-Hamd Publications, Lahore, 2024, p. 160.
17. Kulliyat-e-Akbar Allahabadi, p. 503.
18. Nasira Sultana, article "Ilm Dost," in Akbar Allahabadi Number, ed. Mir Hussain Ali Imam, Gulistan-e-Jauhar, Block-B, Grey Skyline, Karachi, September 2021, p. 17.
19. Kulliyat-e-Akbar Allahabadi, p. 623.
20. Ghulam Hussain Zulfiqar, Bazm-e-Akbar Se Bazm-e-Iqbal Tak, Bazm-e-Iqbal, Haji Muhammad Hanif & Sons Printers, Lahore, March–April 2004, p. 91.
21. Kulliyat-e-Akbar Allahabadi, p. 651.
22. Ibid., p. 491.
23. Syed Abu al Khair Kashfi, article "Akbar Allahabadi Aur Maghribi Inquilab," in Nigar Pakistan, Akbar Allahabadi Number, 1969, p. 149.
24. Ibadat Barelvi, article "Iqbal Aur Azmat-e-Insani," in Barg-e-Gul Iqbal Number, ed. Professor Khalilullah, Federal Government Urdu College, Baba-e-Urdu Road, Karachi, 1977, p. 117.
25. Kulliyat-e-Akbar Allahabadi, p. 521.
26. Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Urdu), p. 713.
27. Kulliyat-e-Akbar Allahabadi, p. 713.
28. Ibid., p. 543.
29. Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal (Urdu), p. 186.
30. Kulliyat-e-Akbar Allahabadi, p. 477.
31. Ehtesham Hussain, article "Akbar Ka Zehan," in Aligarh Magazine, Akbar Number, 1969, p. 126.